بیسواں فقہی سمینار

☆ مشترکہ وجداگانہ خاندانی نظام

☆ مختلف النوع ملازمتیں

☆ تفریح وسیاحت اورشرعی احکام وضوابط

☆ آبی وسائل اوران سے متعلق شرعی احکام

سوالنامہ

مشترکہ اور جداگانہ خاندانی نظام

کہا جاتا ہے کہ انسان سماجی حیوان ہے، یعنی انسان تنہا زندگی نہیں گزار سکتا، اسے بہت سے لوگوں کی رفاقت کی ضرورت ہوتی ہے، رفاقت کے مختصر دائرہ سے - جو قریبی رشتہ داروں پر مشتمل ہو - خاندان بنتا ہے، اور وسیع دائرہ سے جس میں رشتہ دار، ہمسائے، دوست و احباب اور ایک جگہ رہنے والے سارے لوگ شامل ہوں ''سماج'' وجود میں آتا ہے، اسلام میں بھی خاندان کو بڑی اہمیت دی گئی ہے، اسی لئے اللہ تعالی نے خاندان (شعوب وقبائل) کو انسان پر اپنی نعمتوں میں شمار کیا ہے، غرض کہ انسان کی اپنی انفرادیت بھی ہے اور وہ ایک اجتماعی ڈھانچہ کا حصہ بھی ہے۔

زندگی گزارنے کا ایک طریقہ یہ ہے کہ ایک مختصر خاندان کے تمام افراد - جیسے اس کے والدین، بیوی، بچے اور بھائی، بہن - ایک ساتھ رہیں، دوسری صورت یہ ہے کہ انسان صرف اپنے بال بچوں کے ساتھ رہے یا زیادہ سے زیادہ اپنے والدین کو اپنے ساتھ رکھے، معاشرت کے ان دونوں طریقوں میں بعض محاسن بھی ہیں اور بعض مفاسد بھی، مشترکہ خاندانی نظام میں خاندان کے کمزور لوگوں کی مدد ہوتی ہے، بیوہ، مطلقہ عورتوں اور یتیم لڑکوں اور لڑکیوں کی بہتر طور پر پرورش ہوجاتی ہے، بوڑھے ماں باپ کو سہارا حاصل ہوتا ہے، جبکہ اس سے بعض اوقات باہمی نزاع بھی اٹھ کھڑی ہوتی ہے، چچازاد اور پھوپھی زاد بھائی بہنوں کے درمیان پردہ کا اہتمام دشوار ہوجاتا ہے، دوسری طرف علاحدہ خاندانی نظام میں انسان کے اندر اپنی ذمہ داریوں کو محسوس کرکے اپنی ضرورتوں کو خود پوری کرنے کا جذبہ پیدا ہوتا ہے، دیر تک تعلقات میں ہم آہنگی باقی رہتی ہے، مگر اس کا منفی پہلو یہ ہے کہ بوڑھے اور خدمت کے محتاج ماں باپ اور خاندان کے بزرگ حضرات تنہا پڑ جاتے ہیں، یتیم بچے اور مطلقہ عورتوں کا بعض دفعہ کوئی پرسان حال نہیں رہتا۔

دیہات سے شہر کی طرف نقل مکانی، الگ رہنے کا بڑھتا ہوا مزاج اور مکانات کے چھوٹے ہونے کی وجہ سے اب مشترکہ خاندان کی بجائے جداگانہ خاندان کا رجحان بڑھتا جارہا ہے، اس رجحان کی وجہ سے مغربی ملکوں میں بوڑھے لوگوں کے لئے مستقل ہاسٹل تعمیر ہورہے ہیں؛ بلکہ اب ہندوستان کے بڑے شہروں میں بھی اس کی شروعات ہوچکی ہے، اس لئے یہ اس عہد کا ایک اہم اور ابھرتا ہوا سوال ہے، اور اس اہم سماجی مسئلہ پر شریعت کی ہدایات اور اس کے مقاصد کی روشنی میں غور کرنے کی ضرورت ہے، اسی پس منظر میں حسب ذیل سوالات پیش خدمت ہیں:

۱- اسلام کی نظر میں مشترکہ خاندانی نظام بہتر ہے یا جداگانہ زندگی بسر کرنے کا طریقہ؟

۲- اگر مشترکہ خاندان ہو اور افراد خاندان کی ضروریات کے لئے سب مل کر خرچ دیں، کسی کے بچے زیادہ ہوں اور کسی کے کم ہوں، تو کیا ان سب پر برابر اخراجات عائد کئے جائیں گے یا ان کے بچوں کی تعداد کے لحاظ سے؟

۳- اسی صورت میں اگر مختلف بھائیوں نے مل کر اپنے والد یا کسی بھائی کے پاس آمدنی جمع کی اور گھر کے اخراجات سے بچی ہوئی رقم سے کوئی چیز خریدی گئی تو اس میں سبھوں کا حصہ برابر ہوگا یا ہر ایک کی آمدنی کے لحاظ سے ہوگا؟

۴- اگر تین بھائی ہیں، دو بھائی اپنی پوری تنخواہ مثلاً دس دس ہزار روپے گھر میں دے دیتے ہیں اور ایک بھائی بیس ہزار روپیہ کماتا ہے، وہ بھی دس ہزار گھر میں دیتا ہے اور دس ہزار الگ بچا کر رکھتا ہے، تو وہ بچی ہوئی رقم صرف اس کی ملکیت ہوگی یا تمام بھائیوں کی؟

۵- اگر خاندان کے کچھ افراد کماتے ہیں اور کچھ گھر کے کام دیکھتے ہیں اور اس طرح گھر کا کام چلتا ہے تو کیا کمانے والے حضرات کی آمدنی میں کام کرنے والے حضرات بھی برابر کے حقدار ہوں گے؟

۶- والدین زندگی بھر بچوں کی خدمت بھی کرتے ہیں اور کفالت بھی، اور بڑھاپے میں انہیں خدمت اور کفالت کی ضرورت ہوتی ہے، اب سوال یہ ہے کہ والدین کی خدمت وکفالت بیٹوں پر واجب ہے یا بیٹیوں پر بھی، اور اس سلسلہ میں بہو کی ذمہ داری کیا ہے؟ خاص کر جب بیٹیاں اپنے سسرال چلی جائیں اور ماں کو اپنی ضروریات کے لئے تعاون کی ضرورت ہو اور وہ تعاون ایسا ہو جس کو بیٹا خود انجام نہ دے سکتا ہو تو بہو پر اس خدمت کو بجالانا واجب ہوگا یا نہیں؟

۷- مشترک خاندان میں بہت سی دفعہ چچازاد بھائی بہن یا اس طرح کے دوسرے قریبی رشتہ داروں کا ایک دوسرے سے آمنا سامنا ہوتا رہتا ہے اور ایک ہی گھر میں - خاص کر جب کہ وہ تنگ بھی ہو - رہنے کے باوجود ایک دوسرے سے مکمل پردہ نہیں ہو پاتا، ایسی صورتحال میں پردہ کے احکام کیا ہوں گے؟

☆☆☆

سوالنامہ

مختلف النوع ملازمتیں اوران کا شرعی حکم

انسان کی صلاحیتیں منجانب اللہ محدود رکھی گئی ہیں، وہ اپنی تمام ضرورتیں خود پوری نہیں کرسکتا، اسے بہت سی دفعہ اپنی ضروریات کے لئے دوسروں کا سہارا لینا پڑتا ہے اور وہ اس کی اجرت ادا کرتا ہے، اس طرح اس شخص کی ضرورت پوری ہوتی ہے، مثلاً اس کا مکان بنتا ہے اس کا کاروبار چلتا ہے، اس کے لئے سفر آسان ہوجاتا ہے وغیرہ، اور دوسرے شخص کے لئے یہی عمل رزق کا ذریعہ بن جاتا ہے، اسی لئے اجارہ کے جائز ہونے پر امت کا اجماع ہے، اور خود قرآن وحدیث سے اس کا واضح ثبوت موجود ہے، لیکن عمل کوئی بھی ہو، ضروری ہے کہ وہ شریعت کے دائرہ میں ہو، اس سے اللہ اور اس کے رسول کا حکم ٹوٹتا نہ ہو اور منہیات شرعیہ کا ارتکاب لازم نہ آتا ہو، چنانچہ قرآن مجید نے جہاں اچھے کاموں کا حکم دیا ہے، وہیں گناہ اور ظلم سے منع فرمایا ہے اور ظاہر ہے کہ ایسے کاموں کو کرنا جس کی شریعت میں اجازت نہیں ہے، گناہ میں تعاون کرنا ہے ـــــ پھر تعاون کا ایک قریبی درجہ ہے، جو براہ راست کسی عمل میں مدد ومعاون ہوتا ہے، دوسرا درجہ دور کے تعاون کا ہے کہ جس سے بچنا بعض دفعہ ممکن نہیں ہوتا، اسی لئے فقہاء نے سدّ ذریعہ کے اصول کے ذیل میں وہ عمل جو اکثر یا بکثرت کسی بات کا ذریعہ بنتا ہو اور وہ عمل جس کا ذریعہ بننا شاذ ونادر ہو، فرق کیا ہے۔

اس پس منظر میں درج ذیل سوالات پیش خدمت ہیں، امید کہ کتاب وسنت، شریعت کے مقاصد اور فقہاء کی تشریحات کی روشنی میں ان کے جوابات عنایات فرمائیں گے:

۱- بعض ملازمتوں کا تعلق حکومتوں سے ہوتا ہے؛ لیکن اندیشہ ہوتا ہے کہ اس میں بعض دفعہ خلاف شریعت عمل کا ارتکاب کرنا پڑے گا، اس سلسلہ میں ملازمتوں کی درج ذیل صورتیں قابل توجہ ہیں، اگر اس طرح کی کچھ اور صورتیں بھی آپ کے سامنے ہوں تو ان کو بھی واضح کردینا مناسب ہوگا:

الف- حکومت کا ایک اہم شعبہ فوج ہے، جس کا کام ملک کی سرحدوں کی حفاظت کرنا اور غیر معمولی حالات میں اندرون ملک امن وامان کو قائم رکھنا ہے، ظاہر ہے کہ فی نفسہ یہ بہتر مقاصد ہیں، لیکن بعض دفعہ فوج کو ظالم ومظلوم کی تحقیق کئے بغیر وار کرنا پڑتا ہے اور فوجی اپنے کمانڈر کے حکم کا پابند ہوتا ہے، اسی طرح بعض دفعہ ایک مسلمان فوجی کا مدمقابل اسی کا ہم مذہب شخص ہوتا ہے، اگرچہ ایسا ہونا ضروری نہیں ہے؛ البتہ یہ بات بھی قابل لحاظ ہے کہ فوج میں مسلمانوں کا رہنا اجتماعی لحاظ سے مسلمانوں کے مفاد میں ہے، بہت سی دفعہ اس کی وجہ سے مسلمان، فوج کی زیادتی سے بچ سکتے ہیں، نیز یہ روزگار کا ایک وسیع ذریعہ بھی ہے، اس کو چھوڑ دینا مسلمانوں کے لئے معیشت کے وسائل کو محدود کردینے کے مترادف ہوگا؛ تو کیا مسلمانوں کے لئے فوج کی ملازمت اختیار کرنا جائز ہوگا؟

ب- فوج ہی سے قریب دوسرا شعبہ پولس کا ہے، جس کا بنیادی مقصد اندرون ملک امن وامان کو قائم رکھنا ہے، پولیس کو بھی بعض اوقات مظلوموں پر گولی چلانی پڑتی ہے، مجرموں سے جرم کا اقرار کرانے کے لئے ایذا رسانی کا ارتکاب کرنا پڑتا ہے، اور

خیال کیا جاتا ہے کہ اچھا انسان بھی اس شعبہ میں اپنے دوسرے ساتھیوں کی صحبت کی وجہ سے بدزبان اور ظلم وجور کا خوگر بن جاتا ہے؛ البتہ اگر پولیس میں مسلمان نہ ہوں تو اس سے مسلمانوں کو زیادہ نقصان اور انصاف سے محرومی کا اندیشہ ہے؛ تو کیا مسلمانوں کے لئے اس شعبہ کی ملازمت اختیار کرنا جائز ہوگا؟

ج– حکومت کا ایک اہم شعبہ مخبری اور انٹیلیجنس بھی ہوتا ہے، ملک کی سلامتی، امن وامان کا قیام اور جرائم کی روک تھام کے لئے یہ ایک ناگزیر ضرورت ہے؛ لیکن ظاہر ہے کہ جو لوگ اس شعبہ میں ملازمت کرتے ہیں، انہیں تجسس اور غیبت کا ارتکاب کرنا پڑتا ہے، بعض اوقات محض شبہ کی وجہ سے شریف شہریوں کے خلاف بھی ایسی کارروائی کی ضرورت پڑ جاتی ہے، ان حالات میں کیا مسلمانوں کے لئے اس شعبہ میں ملازمت کرنا درست ہوگا؟

د– انصاف کی فراہمی، ظلم وحق تلفی کی روک تھام اور نزاعات کو طے کرنے کے لئے عدلیہ کا نظام قائم ہے اور ہر مہذب معاشرہ کے لئے اس نظام کا وجود ناگزیر ہے، عدالتیں بنیادی طور پر دستور کی تشریح اور تصفیہ طلب واقعات میں ان کی تطبیق کا کام کرتی ہیں، اور یہ امر محتاج بیان نہیں کہ ہمارے ملک کا دستور یا قانون کتاب اللہ اور سنت رسول پر مبنی نہیں ہے؛ بلکہ بہت سے قوانین شریعت اسلامی سے متصادم بھی ہیں، اور یہ بھی ایک حقیقت ہے کہ مسلمانوں کی نسبت سے عدالت کے رویہ کو بھی منصفانہ نہیں کہا جاسکتا، اگر عدالتوں میں مسلمانوں کی نمائندگی ختم ہوجائے تو اندیشہ ہے کہ ان حالات میں مسلمانوں کی مظلومیت اور بڑھ جائے گی، ان حالات میں یہ بات قابل توجہ ہے کہ مسلمانوں کے لئے عدالتوں میں ملازمت کرنا درست ہے یا نہیں؟

ہ– کوئی حکومت عوامی ٹیکس کے بغیر اپنی ضروریات پوری نہیں کرسکتی، ٹیکس کی ایک صورت وہ ہے جسے انکم ٹیکس کہا جاتا ہے، بہت سے لوگوں کا خیال ہے کہ ہمارے ملک میں انکم ٹیکس کی جو شرحیں رکھی گئی ہیں وہ ظالمانہ ہیں، دوسرے عموماً اس ٹیکس کو ٹھیک طور پر عوامی فلاح پر استعمال نہیں کیا جاتا، بلکہ آمدنی کا بڑا حصہ حکمرانوں کی عیش کوشی اور انہیں دی گئی غیر معمولی سہولتوں پر خرچ کردیا جاتا ہے، پھر یہ بات بھی قابل توجہ ہے کہ انکم ٹیکس کے لئے بعض اوقات لوگوں کے نجی معاملات اور دولت کے سلسلہ میں تجسس بھی کرنا پڑتا ہے، لہٰذا کیا انکم ٹیکس کے شعبوں میں مسلمان ملازمت کرسکتے ہیں؟

۲- بعض ملازمتیں ایسی ہیں جن کا سرکاری ہونا ضروری نہیں، لیکن وہ بنیادی طور پر محرمات پر مبنی ہیں، چنانچہ:

الف– بینک اصل میں سودی لین دین کا بنیادی طور پر کاروبار کرتا ہے، اب سوال یہ ہے کہ بینک کی ملازمت کا کیا حکم ہے؟ اگر ایک شخص پیسہ کے لین دین اور سودی حسابات کو لکھتا نہ ہو، کوئی اور کام کرتا ہو، جیسے بینک کے کمپیوٹر کی مرمت، بینک کے ایرکنڈیشن کی مرمت، بینک کی حفاظت، جانتے بوجھتے بینک کے مکان کی تعمیر یا اپنا مکان بینک کو کرایہ پر دینا، کیا یہ صورتیں بھی سودی معاملات کے تعاون میں شمار کی جائیں گی یا اس نوعیت کی ملازمت جائز ہوگی؟

ب– انشورنس کمپنی کا کاروبار ربا اور قمار پر مبنی ہے، البتہ انشورنس کی ایسی شکلیں جس میں واقعہ پیش نہ آنے کی صورت میں پالیسی ہولڈر کو کوئی رقم نہ ملتی ہو، جیسے میڈیکل انشورنس یا حادثہ انشورنس، یا جو انشورنس جبری نوعیت کا ہو، بعض اہل علم اس کو جائز قرار دیتے ہیں، اب سوال یہ ہے کہ انشورنس کمپنی کی ملازمت جائز ہے یا نہیں؟ کیا انشورنس کی تمام صورتوں کے لئے ایک ہی حکم ہے یا ان میں کچھ فرق بھی ہے؟ نیز کسی شخص کا انشورنس کمپنی کے ایجنٹ کی حیثیت سے کام کرنا درست ہے یا نہیں؟

ج- شراب کی کمپنی میں کچھ لوگ شراب کی خرید و فروخت کرتے ہیں، کچھ لوگ کمپنی کے لئے بوتل بناتے ہیں، کچھ لوگ شراب کے لین دین میں نہیں رہتے؛ لیکن حساب کتاب لکھتے ہیں یا شراب کی کمپنی کو وہ اجزاء پیش کرتے ہیں، جن سے شراب بھی بنائی جاتی ہے تو شراب کی کمپنی کے ان مختلف کاموں میں ملازمت کا حکم یکساں ہے یا ان میں حکم کے اعتبار سے کچھ فرق بھی ہوگا؟

۳- بعض صورتیں ایسی ہیں جن میں کاروبار کا اصل مقصد حرام کام کرنا نہیں ہے؛ لیکن ضمنی طور پر وہاں حرام کام بھی کئے جاتے ہیں، جیسے:

الف- سپر مارکیٹ ہے، جس میں زندگی کی مختلف ضروریات فروخت کی جاتی ہیں، اس میں شراب کا بھی ایک گوشہ ہے، ایسے سپر مارکیٹ کی ملازمت کرنا جائز ہے یا نہیں؟ اگر اس سلسلہ میں کچھ تفصیلات ہوں تو ان کو واضح کیا جائے۔

ب- تدریس ایک معزز پیشہ ہے، جس کا انسانی شخصیت کی تعمیر سے گہرا تعلق ہے، لیکن موجودہ دور میں اولاً تو مخلوط تعلیم کے نظام کا غلبہ ہے، اور استاذ کو بعض اوقات اس طرح تدریس کا فریضہ انجام دینا ہوتا ہے کہ اس کے مخاطب لڑکے بھی ہوتے ہیں اور لڑکیاں بھی ہوتی ہیں، اسی طرح لڑکیوں کی مخصوص درسگاہوں میں مرد اساتذہ بھی کام کرتے ہیں، اور لڑکوں کی درسگاہوں میں خاتون اساتذہ بھی کام کرتی ہیں، ایسی ملازمت جائز ہوگی یا نہیں؟

ج- ایک اہم پیشہ وکالت کا ہے، وکیل کا مقصد مظلوم کو انصاف دلانا اور ظالم کو کیفر کردار تک پہونچانا ہوتا ہے، مسلمانوں کے اپنے اجتماعی اور انفرادی مسائل کے لئے وکیل کی ضرورت پڑتی ہے، اور بہت سے مواقع پر اچھے مسلمان وکلاء کی کمی محسوس کی جاتی ہے، لیکن بدقسمتی سے اکثر وکلاء کے یہاں ظالم اور مظلوم میں کوئی فرق نہیں کیا جاتا بلکہ بہت سی دفعہ وہ مظلوم کو انصاف سے محروم کردیتا ہے، نیز یہ بھی ایک حقیقت ہے کہ اکثر اوقات وکلاء اپنے مؤکل کے حق میں فیصلہ کرانے کے لئے انہیں جھوٹ بولنے کی باضابطہ تربیت دیتے ہیں، اس پس منظر میں یہ بات قابل غور ہے کہ کیا مسلمان اس پیشہ کو اختیار کرسکتے ہیں؟

د- انسانی خدمت کا ایک اہم ذریعہ علاج اور پیشۂ طبابت ہے، لیکن بدقسمتی سے اس شعبہ میں بعض برائیاں در آئی ہیں، جیسے آپریشن مجبوری کی حالت میں کیا جانا چاہئے، لیکن ہاسپٹل کی انتظامیہ ڈاکٹروں کو تاکید کرتی ہے کہ وہ ہر ماہ کم سے کم اتنی مقدار میں آپریشن یا ٹسٹ لکھے؛ تاکہ ہاسپٹل کی اور اس کی لیبارٹری کی آمدنی بڑھ سکے؛ اسی طرح سرکاری ہاسپٹلوں کے علاوہ پرائیویٹ ہاسپٹلوں میں بھی مرد ڈاکٹر کو خاتون مریض اور خاتون ڈاکٹر کو مرد مریض کے ایسے علاج پر بعض اوقات مجبور کیا جاتا ہے جس کا تعلق قابل ستر حصے سے ہے تو ایسے ہاسپٹلوں میں ملازمت کرنے کا کیا حکم ہوگا؟ اور ملازمین کے لئے کیا شرعی حدود ہوں گی؟

ہ- ذرائع مواصلات کی ترقی، سیاحت کے رجحان میں اضافہ اور مسافر کی ضرورت کے لحاظ سے ''ہوٹل'' موجودہ سماج کی ضرورت بن گئے ہیں اور یہ اس وقت ایک نفع بخش تجارت بھی ہے، ہوٹلوں کا بنیادی مقصد تو معاوضہ لیکر قیام وطعام کی سہولیات فراہم کرنا ہے، لیکن بڑے ہوٹلوں میں بہت سی ایسی چیزیں بھی شامل ہوتی ہیں، جو شرعاً جائز نہیں ہیں، جیسے: شراب کی فراہمی، خنزیر اور حرام غذا کا انتظام، رقص وموسیقی کی سہولت، پردہ کی رعایت کے بغیر سوئمنگ پول وغیرہ، ایسے ہوٹلوں میں ملازمت کرنے کا کیا حکم ہوگا؟ جبکہ حرام چیزوں کی فراہمی سے اس کا براہ راست تعلق ہو، یا براہ راست اس سے تعلق نہ ہو۔

☆☆☆

سوالنامہ

تفریح-اس کے جائز وسائل اور شرعی ضوابط

اللہ تعالی نے انسان کے اندر کام کی بے پناہ صلاحیت اور جدوجہد کا جذبہ رکھا ہے، انسان جو کچھ سعی وکاوش کرتا ہے، اس میں مختلف اعضاء کا استعمال ہوتا ہے، خاص کر انسان کا دماغ ہر عمل کے پیچھے کارفرما ہوتا ہے، اس لئے جسم کے دیگر اعضاء کو بھی آرام کی ضرورت ہوتی ہے اور خاص کر دماغ کو بھی، جسم کے دوسرے اعضاء کو راحت پہنچانے کے مختلف ذریعے ہیں، منجملہ ان کے نیند بھی ہے؛ لیکن دماغ ہر وقت متحرک رہتا ہے، اگر وہ کام کرنا چھوڑ دے تو زندگی سے انسان کا رشتہ ٹوٹ جائے؛ اس لئے دماغ کی راحت اور اسے تناؤ سے بچانے کے لئے نفسیاتی طور پر پُرسکون ماحول فراہم کرنا، فرحت کے اسباب مہیا کرنا نیز تناؤ سے خالی لمحات کی فراہمی ضروری ہوتی ہے؛ اسی لئے اس مشینی دور میں-جس میں انسان قدم قدم پر ذہنی تناؤ سے دوچار ہوتا ہے —— تفریح کی زیادہ ضرورت محسوس کی جاتی ہے۔

چنانچہ موجودہ دور میں ''تفریح'' فکر وتحقیق کا مستقل موضوع بن گیا ہے، اسے نفسیاتی علاج کا درجہ حاصل ہوگیا ہے اور اس کے لئے مختلف وسائل اختیار کئے جارہے ہیں، اور یہ بات بھی ظاہر ہے کہ اسلام دین فطرت ہے، جو انسان کی فطری ضرورتوں کو پورا کرتا ہے، اس نے اخلاقی حدود میں رہتے ہوئے تفریح کی اجازت دی ہے، قرآن مجید نے ''سیر فی الأرض'' کا حکم دیا ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بھی بعض اوقات مزاح فرمایا کرتے تھے، آپ نے جسم کو صحت منداور نشیط رکھنے والے بعض کھیلوں کی نہ صرف اجازت دی ہے؛ بلکہ اس کی حوصلہ افزائی فرمائی ہے؛ لیکن اس کے لئے اسلام کچھ حدود متعین کرتا ہے مثلاً یہ کہ اس کا عمل دوسروں کو نقصان پہنچانے والا یا خود اس کے لئے مضرت رساں اور اخلاقی تقاضوں کے مغائر نہ ہو، اس پس منظر میں چند سوالات پیش خدمت ہیں، امید کہ تفصیل کے ساتھ جواب عنایت فرمائیں گے:

١- تفریح کا ایک طریقہ مزاح اور لطیفہ گوئی ہے، مزاح نثر میں بھی ہوتا ہے اور نظم میں بھی، آج کل بعض پیشہ ور لطیفہ گو بھی ہوا کرتے ہیں، اور مزاح کے لئے مستقل مجلس یا مزاحیہ مشاعرہ بھی منعقد کیا جاتا ہے، سوال یہ ہے کہ:

الف– کیا شریعت میں مزاح جائز ہے، اور جائز ہے تو اس کی حدود کیا ہیں؟

ب– مزاحیہ پروگراموں کا منعقد کرنا جو کئی گھنٹوں پر مشتمل ہو، یا مزاحیہ مشاعرہ منعقد کرنا کیا جائز ہوگا؟

ج– مزاحیہ کہانیاں لکھنا، انھیں پڑھنا اور ایسی کہانیوں پر مبنی کتابوں کو شائع کرنا، نیز ان کی خرید وفروخت کرنا شرعی نقطۂ نظر سے کیسا عمل ہے؟

د– لطیفہ گوئی یا مزاح نویسی کو پیشہ بنالینا اور اس کی اجرت وصول کرنا درست ہے یا نہیں؟

ھ– تفریح طبع کے لئے مزاحیہ ڈرامے کے پروگرام بھی منعقد کئے جاتے ہیں، جن کا مقصد ہنسنا ہنسانا ہوتا ہے، کیا اس طرح کے ڈرامے لکھنا، اس کا پروگرام کرنا اور اسے دیکھنا درست ہے؟

و– موجودہ دور میں ڈاکٹروں کی رائے ہے کہ ہنسنا انسانی صحت کی برقراری اور اس کو چست ونشیط رکھنے کے لئے بہت معاون فعل ہے؛ اس لئے خاص طور پر ہنسنے کے پروگرام بھی رکھے جاتے ہیں، جس میں بہت سے لوگ بہ تکلف قہقہے لگاتے ہیں اور دیر

تک پہنچنے کی کوشش کرتے ہیں، اس عمل کا شرعی حکم کیا ہے؟

۲- تفریحی مقصد کے لئے مختلف قسم کے کھیل بھی مروج ہیں، جن میں بعض کھیل گھنٹہ دو گھنٹے کے ہوتے ہیں، اور بعض کھیل زیادہ وقت لیتے ہیں، بعض ایسے کھیل بھی ہوتے ہیں، جو انسان کی جان کے لئے خطرناک ہوتے ہیں، جیسے: باکسنگ، بعض کھیلوں میں جانوروں کو سخت تکلیف پہنچتی ہے، جیسے جانوروں کا باہمی مقابلہ، موجودہ زمانے میں کھیل نے مستقل فن کی صورت اختیار کرلی ہے، سرکاری سطح پر اس کی مستقل وزارت ہوتی ہے اور خاصا بجٹ اس مقصد کے لئے منظور کیا جاتا ہے، اس پس منظر میں واضح کیا جائے کہ:

الف- کھیل کے طریقہ کے اعتبار سے کھیل کے جائز اور ناجائز ہونے کے کیا اصول ہیں؟

ب- لباس و پوشاک کے سلسلہ میں کھلاڑیوں کے لئے کن باتوں کی رعایت ضروری ہے؟

ج- شریعت کے اصولوں کی روشنی میں مروجہ کھیلوں میں سے کن کو جائز، کن کو ناجائز، کن کو مکروہ اور کن کو مستحب قرار دیا جاسکتا ہے؟

د- کھیل کی جیت ہار میں اگر پیسے کی شرط ہو تو کون سی صورت جائز اور کون سی ناجائز ہوگی؟

ھ- جو کھیل اپنے طریقہ اور لباس کے اعتبار سے محرمات پر مشتمل نہ ہو؛ لیکن اس میں کھیلنے والوں اور کھیل دیکھنے والوں کا کافی وقت ضائع ہوتا ہو تو ان کا کیا حکم ہوگا؟

و- کھیل دیکھنے نیز اس کے لئے ٹکٹ خریدنے کا کیا حکم ہوگا، کیا اس سلسلہ میں کچھ تفصیلات بھی ہیں؟

۳- موجودہ دور میں سیاحت ایک مستقل صنعت بن چکی ہے، بلکہ بعض ممالک کی آمدنی کے لئے سیاحت بنیادی وسیلہ کا درجہ رکھتا ہے؛ اس لئے موجودہ دور میں سیاحت کو بڑی اہمیت حاصل ہوگئی ہے، اس تناظر میں حسب ذیل امور دریافت طلب ہیں:

الف- تفریحی مقصد کے لئے ایک شہر سے دوسرے شہر اور ایک ملک سے دوسرے ملک کا سفر کرنا جائز ہے یا نہیں، جبکہ اس میں کثیر رقوم کا صرفہ بھی ہوتا ہے؟

ب- کیا ایسے سفر میں بال بچوں کو ساتھ رکھنا درست ہے؛ جبکہ بعض علاقوں کا سفر جان و مال اور عزت و آبرو کے تحفظ کے نقطہ نظر سے پُر خطر ہوتا ہے؟

ج- جس مقام پر مختلف علاقوں کے لوگ سیاحت کی غرض سے آتے ہیں، وہاں عموماً بعض غیر شرعی باتیں بھی دیکھنے میں آتی ہیں، ایسی جگہوں میں ازراہ تفریح جانا، وہاں جانے والوں کے لئے سواری کرایہ پر لگانا اور ایسے مقام پر اشیائے خورد و نوش فروخت کرنے کے لئے دکان لگانے کا کیا حکم ہے؟

د- آج کل ٹور پر لے جانے کے لئے مختلف تجارتی کمپنیاں قائم ہیں، جو آمد و رفت کے لئے ٹکٹ اور قیام کے لئے سہولتوں کا نظم کرتے ہیں۔ سفر کرنے والے حضرات مختلف قسم کے ہوتے ہیں، بعض وہ بھی ہوتے ہیں جو سیاحتی مقامات پر دادِ عیش دینے کے لئے جاتے ہیں، نیز شراب اور دوسری برائیوں میں مبتلا ہوتے ہیں، بعض کا مقصد مندروں، تیرتھ گاہوں اور چرچوں کی زیارت کرنا اور وہاں اپنے طریقوں کے مطابق عبادت کرنا ہوتا ہے، کیا اس طرح کی ٹور کمپنیاں قائم کرنا جائز ہے؟

۴- تفریحی مقاصد کے لئے جن وسائل کا استعمال کیا جاتا ہے، ان میں فلمیں بھی ہیں، فلموں سے فوراً ذہن ان فلموں کی طرف جاتا ہے جو آج کل سنیما ہالوں میں دکھائی جاتی ہیں، ان کا ناجائز اور حرام ہونا ظاہر ہے، کیونکہ یہ فحشاء و منکرات کو پھیلانے کا ذریعہ ہیں، لیکن فلم اصل میں تصویر کشی یا عکس بندی کا نام ہے، اور ان کا استعمال مخرب اخلاق مقاصد کے علاوہ کے لئے بھی ہوتا ہے یا ہوسکتا ہے،

چنانچہ دستاویزی فلمیں بھی تیار کی جاتی ہیں، اسی طرح تاریخی فلمیں بھی ہوتی ہیں، تعلیمی مقاصد کے لئے بھی فلمیں بنائی جاتی ہیں، مثال کے طور پر قرآن میں جن مقامات کا ذکر آیا ہے، اگر متعلقہ آیات کو پڑھتے ہوئے ان مقامات کو طلبہ اسکرین پر دیکھیں، تو ظاہر ہے کہ اس سے ان کے اندر اس مضمون کا زیادہ ادراک پیدا ہوسکتا ہے، اس پس منظر میں اس امر کی وضاحت فرمائیں کہ کیا مذکورہ مقاصد کے لئے فلمیں بنائی جاسکتی ہیں، نیز تعلیمی مقاصد کے لئے ان کا استعمال کیا جاسکتا ہے، اور اگر کیا جاسکتا ہے تو اس کے لئے کیا شرائط ہوں گی؟

۵- موجودہ دور میں شخصیتوں کی طرف اشارہ کرنے کے لئے کارٹون بنائے جاتے ہیں، کارٹون کے ذریعہ یہ بات سمجھی جاسکتی ہے کہ کارٹونسٹ کا اشارہ کس طرف ہے، لیکن انسانی صورت کے خدوخال اس میں پوری طرح واضح نہیں ہوتے ہیں، کارٹون میں ایک پہلو تفریح اور مزاح کا بھی ہوتا ہے، سوال یہ ہے کہ:

الف: کیا کارٹون بنانا جائز ہے، یا اس کا بھی تصویر میں شمار ہوگا؟

ب: کارٹون بنانا اس وقت ایک نفع بخش ذریعہ آمدنی بھی ہے، تو کیا اس کو ذریعہ آمدنی بنانا اور اس مقصد کے لئے ملازمت کرنا درست ہوگا؟

٦- جیسے کہانیاں لکھی جاتی ہیں اور فرضی حکایتیں مرتب کی جاتی ہیں، اسی طرح ذہنی تفریح کا ایک ذریعہ ڈراما بھی ہے، جس میں مختلف افراد بطور کردار کے شامل ہوتے ہیں اور وہ متعین جملوں کو ادا کرتے ہیں، آج کل دینی مدارس کے پروگراموں میں بھی مکالمات کی صورت مروج ہوگئی ہے، یہ بھی اس میں شامل ہے، ڈرامہ غیر اخلاقی مقاصد کے لئے بھی کیا جاسکتا ہے اور بہتر مقاصد کے لئے بھی، لیکن اس میں جو کچھ کہا جاتا ہے یا ڈرامہ میں شامل لوگوں کے درمیان جو رشتے ظاہر کئے جاتے ہیں وہ عام طور پر فرضی ہوتے ہیں؛ البتہ سامعین کو اس سے دھوکہ نہیں ہوتا اور وہ بھی اس کی حقیقت سے آگاہ ہوتے ہیں، سوال یہ ہے کہ کیا بہتر کاموں کی ترغیب اور معاشرہ کے مفاسد پر تنقید کے لئے ڈرامے اسٹیج کئے جاسکتے ہیں؟

☆☆☆

سوالنامہ

آبی وسائل اوران سے متعلق شرعی احکام

انسان کی بنیادی ضروریات میں سے ایک پانی ہے، پانی اگر میٹھا ہوتو ہماری پیاس بجھانے، کھانا پکانے اور کپڑے وغیرہ دھونے کے کام میں آتا ہے، اور پانی اگر کھارا ہو جیسے سمندر کا پانی، تو اس کی افادیت بھی کچھ کم نہیں؛ کیونکہ قدرت کی جانب سے اس میں آلودگی کو جذب کرنے اور آلائشوں کو تحلیل کرنے کی غیر معمولی صلاحیت رکھی گئی ہے۔

جوں جوں تمدنی اور صنعتی ترقی ہوتی جاتی ہے اور انسانی آبادی میں اضافہ ہوتا جاتا ہے، پانی کی ضرورت بھی بڑھتی جاتی ہے، اور اس کی کمی پوری دنیا کے لئے فکرمندی کا باعث ہے، یہاں تک کہ کہا جاتا ہے کہ مستقبل میں پانی کے لئے جنگیں ہوں گی، بلکہ ابھی سے دریاؤں اور سمندروں میں اپنے اپنے حقوق کے سلسلے میں مختلف ملکوں بلکہ ایک ملک کی مختلف ریاستوں کے درمیان کشمکش جاری ہے، پانی کے بے جا استعمال کی وجہ سے آبی آلودگی کا مسئلہ بھی پیدا ہوگیا ہے، اور اب اس کو دوبارہ قابل استعمال بنانے کے سلسلے میں کوششیں کی جارہی ہیں، اس پس منظر میں درج ذیل سوالات پر تفصیلی اور مدلل جواب مطلوب ہیں:

۱- پانی کے استعمال سے متعلق شریعت کے عمومی احکام کیا ہیں؟

۲- پانی میں فضول خرچی کا اطلاق کن صورتوں پر ہوگا اور اس فضول خرچی کا شرعی حکم کیا ہے؟

۳- پانی کو آلودگی سے بچانے کے لئے شریعت میں کیا احکام دیے گئے ہیں، اور یہ احکام وجوب کے درجہ میں ہیں یا صرف اخلاقی نوعیت کے حامل ہیں؟

۴- آج کل گندے اور آلودہ پانی کے ذخیرہ کو کیمیاوی طریقہ پر قابل استعمال بنایا جاسکتا ہے، کیمیاوی عمل کے ذریعہ اس کی بدبو اور آلودگی دور ہوجاتی ہے، کیا اس طریقہ پر صاف کیا گیا پانی پاک سمجھا جائے گا؟

۵- پانی کی قلت کو دیکھتے ہوئے حکومتیں پانی کے بعض استعمالات پر پابندی لگاتی ہیں، کیا اس طرح کی پابندی لگانے کا ریاست کو حق ہے، اور اس کے مطابق عمل کرنا شرعاً واجب ہے؟

۶- انسان کی مملوکہ زمین میں جو پانی پایا جاتا ہے، وہ اس کی ملکیت ہے یا حکومت کی؟ مثلاً اگر حکومت مملوکہ زمین میں بورنگ کرانے کو منع کرتی ہے؛ تاکہ پانی کی سطح اور نیچے نہ چلی جائے تو کیا حکومت کو اسلامی نقطۂ نظر سے ایسا حکم دینے کی گنجائش ہے اور کیا اس حکم کی تعمیل شرعاً ضروری ہوگی؟

۷- بعض ملکوں میں پانی کے ذخائر کی حفاظت کی ذمہ داری شہریوں سے بھی متعلق کی جاتی ہے، اس سے جہاں ضروریات کے لئے پانی محفوظ ہوتا ہے، وہیں زیرزمین پانی کی سطح میں اضافہ ہوتا ہے، اگر حکومت لوگوں کے لئے اس بات کو لازم قرار دے کہ وہ اپنے مکان کے ایک حصہ کو حفاظتِ آب کے لئے مخصوص کردیں تو کیا حکومت کو ایسا حکم دینے کا حق ہے اور اس کی تعمیل شرعاً واجب ہوگی، نیز پانی کی ذخیرہ اندوزی حکومت کی ذمہ داری ہے یا افراد کو بھی اس کا مکلّف کیا جاسکتا ہے؟

۸- بعض جگہ ڈیم تعمیر کرنے اور بڑے پیمانے پر پانی کی ذخیرہ اندوزی کے لئے آبادیوں کو وہاں سے منتقل کرنا پڑتا ہے، نہ صرف زرعی علاقے بلکہ آبادیاں بھی آبی ذخیرہ کا حصہ بن جاتی ہیں، لہٰذا شرعی نقطۂ نظر سے اجتماعی مصلحت کے پیش نظر کسی آبادی کو انتقال مکانی پر مجبور کرنا اور متبادل زمین فراہم کرنا کیا جائز ہوگا؟

۹- بعض علاقوں میں تباہ کن سیلاب آتا ہے اور ایک بستی غرق ہونے کے قریب ہوتی ہے، ایسی صورت میں لوگ پانی کے روکنے کے لئے تعمیر کئے گئے باندھ کو کاٹ دیتے ہیں، اس کے نتیجے میں سیلاب کا پانی آگے بڑھ جاتا ہے، اب اس بستی کو توقتی طور پر مصیبت سے نجات مل جاتی ہے؛ لیکن اگلی بستی کے ڈوب جانے کا خطرہ پیدا ہوجاتا ہے، اور اگر آگے کی آبادی نسبتاً نشیبی علاقے میں واقع ہوتو وہاں زیادہ نقصان کا خطرہ ہوتا ہے، ایسی صورت میں کیا پہلی بستی والوں کے لئے باندھ کو کاٹ دینے اور پانی کو آگے بڑھا دینا جائز ہوگا؟

۱۰- دریا، ندی، عوامی کنویں، چشمے اور سرکاری تالاب سے افراد واشخاص کو کس حد تک استفادہ کی اجازت ہے؟

۱۱- اگر کوئی نہر مختلف علاقوں اور مختلف لوگوں کے کھیتوں کے سامنے سے گزرتی ہو تو مختلف لوگوں کے حق میں اپنے کھیت یا اپنی ضروریات کے لئے کس حد تک اس سے استفادہ کرنا جائز ہے؟

۱۲- کن صورتوں میں افراد کو پانی پر ملکیت حاصل ہوتی ہے؟

۱۳- جن صورتوں میں کوئی شخص پانی کا مالک ہوجاتا ہے، ان میں کیا اس کے لئے اپنے مملوکہ پانی کی تجارت کرنا جائز ہے؟...... واضح ہو کہ موجودہ دور میں پانی کی خرید وفروخت ایک اہم ذریعۂ معاش اور ایک نفع بخش تجارت بن چکی ہے۔

۱۴- شہروں میں آبادی کے پھیلاؤ کا ایک پہلو یہ ہے کہ بہت سے نشیبی علاقوں (جو تالاب کی صورت میں تھے) میں لوگ پلاٹنگ کرکے انھیں فروخت کررہے ہیں اور یہاں آبادیاں بسائی جارہی ہیں، اس سے ایک طرف یہ پانی آبادیوں میں پھیل جاتا ہے، دوسری طرف بارش کے پانی کی ذخیرہ اندوزی متاثر ہوجاتی ہے اور بہ حیثیت مجموعی پانی کی سطح نیچے چلی جاتی ہے اور اس سے پوری آبادی کو نقصان پہنچتا ہے، تو کیا تالاب میں آبادیاں بسانا درست ہے؟ حکومت کی طرف سے ممانعت ہو اور ممانعت نہ ہو، دونوں صورتوں کے کیا احکام ہوں گے؟

۱۵- حکومت کے پروگرام میں داخل ہے کہ عوام تک پینے اور استعمال کے لئے پانی پہنچایا جائے، ترقی یافتہ ملکوں میں دیہاتوں میں بھی اس کا نظام موجود ہے، تو کیا آب رسانی کا انتظام حکومت کے واجبات میں سے ہے اور ہر شہری کا حق ہے کہ وہ اس کا مطالبہ کرے؟ اگر حکومت اس کی اجرت متعین کرتی ہو تو کیا حکومت کے لئے پانی کا عوض لینا درست ہوگا، اور اجرت ادا نہ کرنے کی صورت میں اسلامی نقطۂ نظر سے حکومت کو پانی کے روک لینے کا حق حاصل ہوگا؟

۱۶- یہی صورتحال استعمال شدہ پانی وغیرہ کی نکاسی کا بھی ہے، جس کے لئے حکومت نے ڈرینج کا نظام بنایا ہے، اس سے نہ صرف افراد واشخاص کے مفادات متعلق ہیں؛ بلکہ پوری آبادی کی صحت کی حفاظت بھی متعلق ہے؛ اس لئے کیا یہ شرعی نقطۂ نظر سے حکومت کی ذمہ داری ہوگی، اور اسے شہریوں کا حق سمجھا جائے گا؟

☆☆☆

تجاویز:

بیسواں فقہی سمینار

۲۹ ربیع الاول-۱ربیع الثانی ۱۴۳۲ھ مطابق ۵-۷ مارچ ۲۰۱۱ء، جامع العلوم الفرقانیہ رامپور، یوپی

مؤرخہ ۲۹،۳۰ ربیع الاول و یکم ربیع الثانی ۱۴۳۲ھ مطابق ۵-۷ مارچ ۲۰۱۱ء روز ہفتہ- پیر جامع العلوم الفرقانیہ کے زیر اہتمام مشہور تاریخی شہر رام پور میں اسلامک فقہ اکیڈمی انڈیا کا بیسواں فقہی سیمینار منعقد ہوا، جس میں کشمیر سے آسام اور کیرالا تک ملک کے تقریباً سبھی علاقوں کے تین سو علماء وارباب افتاء کے علاوہ امریکہ، برطانیہ اور جنوبی افریقہ سے بھی بعض اہم علمی شخصیتوں نے شرکت کی، اس سیمینار میں چار اہم موضوعات پر بحث کی گئی اور بہ اتفاق رائے حسب ذیل فیصلے کئے گئے:

مشترکہ وجداگانہ خاندانی نظام:

مشترکہ اور جداگانہ خاندانی نظام سے متعلق مقالات، ان کی تلخیص اور عرض کو سامنے رکھ کر بحث ومباحثہ کے بعد درج ذیل تجاویز منظور کی گئیں:

۱- مشترکہ خاندانی نظام ہو یا جداگانہ، دونوں کا ثبوت عہد رسالت اور عہد صحابہ سے ملتا ہے؛ لہٰذا دونوں ہی نظام فی نفسہ جائز و درست ہیں۔ جہاں جس نظام میں شریعت کے حدود وقوانین کی رعایت و پاسداری اور والدین و دیگر زیر کفالت افراد اور معذورین کے حقوق کی حفاظت ہو سکے اور فتنہ ونزاع سے بچا جا سکے اس نظام پر عمل کرنا بہتر ہوگا، کسی ایک نظام کی تحدید نہیں کی جا سکتی ہے۔ البتہ یہ اجلاس تمام مسلمانوں سے یہ اپیل کرتا ہے کہ مورث کے انتقال کے بعد جتنی جلدی ممکن ہو ترکہ کی تقسیم کر کے تمام شرعی وارثین کو ان کا متعینہ حصہ دے دیں تاکہ ایک دوسرے کے حقوق کا غلط استعمال نہ ہو اور یہ عمل باہمی نزاع اور نفرت وعداوت کا سبب نہ بن جائے۔ یہ اجلاس خاص طور سے عورتوں کے حقوق کی ادائیگی کی طرف مسلمانوں کی توجہ کو مبذول کرانا چاہتا ہے؛ کیونکہ اس میں بہت زیادہ کوتاہیاں پائی جاتی ہیں۔

۲- مشترکہ خاندانی نظام کی بنیاد ایثار وقربانی اور باہمی تعاون پر ہے ورنہ یہ نظام قائم نہیں رہ سکتا ہے، نیز عدل وانصاف کو قائم رکھنا بھی ضروری ہے، لہٰذا اگر خاندان کے سبھی افراد صاحب استطاعت ہوں تو زیر کفالت افراد کی تعداد کے اعتبار سے اخراجات دیں گے، اور اگر کوئی مالی اعتبار سے کمزور ہو تو ہر شخص اپنی آمدنی کے تناسب سے اخراجات برداشت کرے گا؛ البتہ خاندان کے سبھی حضرات کو چاہئے کہ جائز ذریعہ سے زیادہ سے زیادہ آمدنی حاصل کرنے کی کوشش کریں تاکہ کمانے والوں پر بوجھ نہ پڑے۔

۳- جب آمد وخرچ دونوں مشترک ہوں تو اخراجات کے بعد بچی ہوئی رقم سے خریدی گئی چیز میں سبھی افراد برابر کے حقدار ہوں گے۔

۴- جب سبھی بھائیوں کا ذریعہ آمدنی الگ الگ ہو اور سبھوں نے برابر برابر رقم جمع کی اور ایک بھائی نے اپنی زائد آمدنی کو بچا کر اپنے پاس رکھا تو یہ بھائی اپنی زائد آمدنی کا خود مالک ہوگا، دوسرے بھائی اس کے حقدار نہیں ہوں گے۔

۵-الف: اگر خاندان کے افراد کسی معاہدہ کے تحت کام کرتے ہوں تو جو بھی آمدنی ہوگی وہ خاندان کے سبھی افراد کے درمیان حسب معاہدہ تقسیم ہوگی خواہ وہ گھر پر کام کرتے ہوں یا باہر۔

ب: اگر کاروبار ایک ہی ہو، کچھ لوگ گھر پر کام کرتے ہوں اور کچھ لوگ گھر کے باہر تو اس صورت میں کل آمدنی سبھی افراد کے درمیان برابر برابر تقسیم ہوگی۔

ج: اگر الگ الگ کاروبار ہو اور ان کے درمیان کسی طرح کا معاہدہ نہ ہو تو باہر کمانے والوں کی آمدنی میں گھر کا کام دیکھنے والے حقدار نہیں ہوں گے۔

۶- والدین کی خدمت وکفالت لڑکوں کے ساتھ لڑکیوں پر بھی حسب استطاعت واجب ہے۔ اگر ماں کو ایسی خدمت کی ضرورت ہو جس کو کوئی عورت ہی انجام دے سکتی ہے اور بہو کے علاوہ کوئی دوسری قریبی عورت خدمت کرنے والی نہ ہو نیز ماں مجبور ہو، خود سے وہ کام انجام دینے کے لائق نہ ہو تو ایسی صورت میں بہو پر ساس کی خدمت واجب ہوگی۔

۷- مشترک خاندان میں بھی شرعی پردہ کا اہتمام کیا جائے، کسی غیر محرم کے ساتھ تنہائی میں ملنے سے، اور ہنسی مزاق نیز غیر ضروری گفتگو سے اجتناب کرنا لازم ہے، البتہ احتیاط کے باوجود اگر سامنا ہو جائے اور ہر طرح کے فتنہ سے بچنے کی کوشش ہو تو اس میں کوئی حرج نہیں ہے۔

۸- سماج کے معمر اور سن رسیدہ افراد انسانی سماج کے لئے بیش قیمت سرمایہ ہیں، ان کی راحت رسانی اور خدمت انسانی سماج کی ذمہ داری ہے، خصوصا اولاد اور افراد خاندان کی ذمہ داری ہے کہ بوڑھوں کی خدمت کریں، ان کی عزت وتکریم کریں، اور انہیں اپنے ساتھ محبت اور الفت کے ساتھ رکھیں اور ان کی خدمت کو اپنے لئے سعادت سمجھیں۔

مختلف النوع ملازمتیں:

۱-الف: فوج کا بنیادی مقصد ملک کی سرحدوں کی حفاظت اور غیر معمولی حالات میں امن وامان کا قیام ہے، یہ دونوں مقاصد شریعت اسلامیہ میں بھی مطلوب ہیں، اس لیے مصلحت عامہ کے پیش نظر فوج کی ملازمت مسلمانوں کے لیے جائز ہے، البتہ حتی الامکان غیر شرعی اقدام سے احتراز ضروری ہے۔

ب- پولیس کا محکمہ بھی دراصل امن وامان قائم کرنے اور شہریوں کی جان ومال کی حفاظت کے لیے ہوتا ہے اس لئے اس کی بھی ملازمت جائز ہے لیکن یہ ضروری ہے کہ اپنے فرض کی انجام دہی کے لئے کسی طرح کا ظلم وستم وغیرہ نہ کیا جائے۔

ج- ملک کی سلامتی، امن وامان کے قیام اور جرائم کی روک تھام کے لیے انٹلی جینس کی ملازمت درست ہے، البتہ ہر ایسے طریقۂ کار سے اجتناب لازم ہے جو غیر شرعی اور حقوق انسانی کے خلاف ہو۔

د- عدلیہ کا مقصد انصاف کی فراہمی اور ظلم وحق تلفی کی روک تھام ہے، لہٰذا عدلیہ کی ملازمت درست ہے۔

ھ- حکومت کی طرف سے رعایا کی فلاح وبہبود کی غرض سے مختلف ٹیکس عائد کئے جاتے ہیں اور ان کے لیے محکمے وادارے قائم ہیں ایسے اداروں کی ملازمت شرعی حدود کا لحاظ کرتے ہوئے جائز ہے۔

۲-الف: بینک کا بنیادی کام سودی لین دین کا ہے اس لیے اصولی طور پر بینک یا کسی سودی کاروبار کے ادارے کی ملازمت جائز نہیں ہے۔

ب- بینک کی ایسی ملازمت جس کا تعلق براہ راست سودی معاملات (سود کے لکھنے اور لینے ودینے وغیرہ) سے نہ ہو ایسی ملازمت کی گنجائش ہے، اوراس سے بھی بچنا بہتر ہے۔

ج- بینک کے لئے عمارت وغیرہ کا کرایہ پر دینا مکروہ ہے۔

د- انشورنس کمپنیاں عام طور سے سود وقمار کا کام کرتی ہیں لہٰذا ایسی کمپنیاں جن میں سود وقمار یا کسی ایک کا نظام ہو ان کی ملازمت جائز نہیں ہے۔

ھ- انشورنس کی وہ کمپنیاں جن کا نظام سود وقمار سے پاک ہو ان کی ملازمت درست ہے کہ جان ومال کی حفاظت اسلام کے مقاصد میں سے ہے۔

و- شراب سازی کے کام وکارخانہ میں کسی طرح کی بھی ملازمت ناجائز ہے۔

ز- ایسی اشیاء جن کا استعمال شراب سازی کے لیے کیا جاسکتا ہے ان کا شراب سازی کا کام کرنے والوں کے ہاتھوں فروخت کرنا اور ایسے کاموں کی ملازمت کی گنجائش ہے مگر اس سے بچنا بہتر ہے۔

۳-الف: ایسے سوپر مارکیٹ کی ملازمت جس میں شراب کے علاوہ اکثر جائز اشیاء فروخت ہوتی ہوں اور ملازمت کا تعلق براہ راست شراب سے نہ ہو تو ایسی ملازمت جائز ہے۔

ب- اسلامی نقطۂ نظر سے مخلوط تعلیمی نظام درست نہیں ہے؛ البتہ جہاں جداگانہ تعلیمی نظام کی سہولت نہ ہو وہاں ضرورۃً اس سے استفادہ کی گنجائش ہے، اور مخلوط تعلیم گاہ نیز جہاں صنف مخالف کو تعلیم دینے کی نوبت آئے وہاں تدریسی ملازمت کی گنجائش ہے البتہ شرعی حدود وہدایات کا لحاظ رکھنا ضروری ہے۔

ج- یہ سمینار مسلمانوں سے اپیل کرتا ہے کہ وہ ایسے تعلیمی ادارے قائم کریں جو جداگانہ نظام پر مبنی ہوں اور ان میں شرعی حدود واحکام کی پوری رعایت ہو، نیز تعلیم وتربیت کے لحاظ سے بھی اعلیٰ معیار کو پورا کرتے ہوں؛ تاکہ مسلمان طلبہ وطالبات ان مفاسد سے بچتے ہوئے تعلیم حاصل کرسکیں جو آہستہ آہستہ عصری تعلیمی اداروں کا حصہ بنتے جارہے ہیں۔

د- پیشہ وکالت فی نفسہ جائز ہے؛ البتہ غلط مقدمات کی پیروی اور صاحب حق کی حق تلفی کے لیے وکالت اور کذب بیانی وغیرہ جائز نہیں ہے۔

ھ- طبابت (ڈاکٹری) انسانی خدمات اور آمدنی کا بہترین ذریعہ ہے، طبیب کا بطور ملازمت کسی اسپتال میں اجرت پر کام کرنا اور علاج کرنا جائز ہے۔

و- بلاضرورت کسی مریض کا ٹسٹ کرانا، آپریشن تجویز کرنا یا کسی دوا کا دینا محض اضافۂ آمدنی کے لیے جائز نہیں ہے، ایسا کرنا خیانت اور بددیانتی ہوگی اوراس طور پر حاصل کیا ہوا مال جائز نہیں ہوگا۔

۲- مرد مریض کے لیے مرد معالج اور خاتون مریض کے لیے خاتون معالج ہونا چاہئے؛ البتہ ضرورت کے موقع پر صنف مخالف کا علاج کیا جاسکتا ہے۔

۳- بلاضرورت کسی کے جسم کے ایسے حصے پر نظر کرنا یا مس کرنا جو ستر میں داخل ہے، جائز نہیں ہے؛ البتہ بوقت ضرورت معالج کے لیے مریض کے ایسے قابل ستر حصہ کو جس کا تعلق مرض سے ہے، بقدر ضرورت دیکھنا اور چھونا جائز ہے۔

۴- ہوٹل کی ملازمت فی نفسہ جائز ہے۔ ہوٹل میں قیام کرنے والے اشخاص کا اپنے طور پر اس میں محرمات کا استعمال ہوٹل مالک کے لیے

حاصل ہونے والے کرایہ پر اثر انداز نہیں ہوگا، اس کی اجرت اور کرایہ جائز ہے۔

۵- ہوٹل مالک یا اس کے کسی ملازم کے ذریعہ محرمات کی فراہمی تعاون علی الاثم براہ راست شمار ہوگی اور اس پر اجرت لینا جائز نہیں ہوگا۔

تفریح وسیاحت- اس کے احکام وشرعی ضوابط:

۱- فلم سازی، کارٹون اور ڈرامہ:

۱- غیر ذی روح اشیاء مثلاً تاریخی مقامات اور قدرتی مناظر کی عکس بندی جائز ہے۔

۲- تفریحی مقاصد کے لئے ذی روح کی عکس بندی جائز نہیں ہے۔

۳- تعلیمی، اصلاحی اور دعوتی مقاصد کے لئے عکس بندی اور اس سے استفادہ کی گنجائش ہے خواہ اس میں ضمناً ذی روح کا عکس آ گیا ہو۔

۴- ایسی عکس بندی جن میں کسی عورت کی تصویر ہو یا انبیاء وصحابہ کی تمثیل ہو یا دیگر کوئی شرعی منکر ہو، بنانا اور ان کو دیکھنا جائز نہیں ہے۔

۵- ایسے کارٹون جن میں خدوخال واضح ہوں وہ تصویر میں شمار ہوکر ناجائز ہیں۔

۶- ایسے کارٹون بنانا جس سے کسی کی اہانت مقصود ہو جائز نہیں ہے اگر چہ اس میں خدوخال واضح نہ ہوں۔

۷- ایسے کارٹون جو عریانیت پر مشتمل ہوں یا برائی کی ترغیب دے رہے ہوں وہ بھی جائز نہیں ہیں۔

۸- تربیتی مقصد سے بچوں کے لئے ایسے کارٹون بنانا جن میں خدوخال واضح نہ ہوں اور بچوں کے لئے نفسیاتی، اخلاقی اور لسانی نقطۂ نظر سے مفید ہوں جائز ہے۔

۹- کارٹون سازی کی جو شکلیں جائز ہیں ان کو ذریعہ آمدنی بنانے اور اس مقصد کے لئے ملازمت کرنے کی گنجائش ہے۔

۱۰- اچھے کاموں کی ترغیب اور معاشرہ کے مفاسد پر تنقید کے لئے مکالمات اسٹیج کئے جاسکتے ہیں بشرطیکہ اس میں موسیقی یا کسی کی کردار کشی یا مرد وزن کا اختلاط یا انبیاء وملائکہ اور صحابہ کی تمثیل نہ ہو نیز غیر شرعی اور غیر اخلاقی امور سے پاک ہو۔

۲- مزاح:

الف- مزاح جائز ہے بشرطیکہ وہ جھوٹ، فحش نیز استہزاء وایذارسانی پر مشتمل نہ ہو۔

ب- ایسے مزاحیہ پروگرام یا مزاحیہ مشاعرے جن سے دینی یا دنیوی مصالح متاثر ہوں، جائز نہیں ہیں۔

ج- لطیفہ گوئی یا مزاح نویسی کو ذریعہ معاش بنالینا مناسب نہیں ہے۔

د- ایسے پروگرام جن کا مقصد صرف ہنسنا ہنسانا ہو شریعت کے مزاج کے خلاف ہیں؛ البتہ بہ غرض علاج اس کی گنجائش ہے۔

۳- سیاحت:

الف- اسراف سے بچتے ہوئے تفریحی مقصد کے لیے ایک شہر سے دوسرے شہر اور ایک ملک سے دوسرے ملک کا سفر کرنا جائز ہے۔

ب- ایسے مقامات جہاں جان یا عزت وآبرو کا تحفظ خطرے میں ہو، وہاں نہ خود جانا درست ہے اور نہ اہل وعیال کو ساتھ لے جانا درست ہے۔

ج- تفریح کے لیے ایسی جگہوں میں جانا جہاں غیر شرعی امور کا غلبہ ہو جائز نہیں ہے، اور ایسے مقامات پر جانے والوں کو سواری کرائے پر دینے یا اشیاء خورد ونوش فروخت کرنے کے لئے دکان لگانے کی گنجائش ہے۔

د- جائز مقاصد کے لیے ٹراویلس کمپنیوں کا قیام درست ہے۔

ھ- سیاحت کا تعلق مذہبی، تہذیبی اور ثقافتی رشتوں کو مضبوط کرنے، اپنے گزرے ہوئے لوگوں کے کارناموں کو اجاگر کرنے اور مذہبی و قومی تاریخ سے روشناس کرانے سے ہے، اس لئے جو مسلمان اس پیشہ سے جڑے ہوئے ہیں، ان سے اپیل کی جاتی ہے کہ وہ مسلمانوں کے لئے اسلامی نقطۂ نظر سے ان مقاصد کو پورا کرنے والے پیکیج تیار کریں تاکہ مسلمان نوجوانوں کو بے راہ روی اور احساس کمتری سے بچایا جاسکے اور غیر مسلم بھائیوں کے سامنے بھی مسلمانوں کی صحیح تصویر آسکے۔

۴- کھیل کود:

الف- ایسے کھیل جو انسان کے وسیع تر مفاد میں ہوں، جن سے جسمانی قوت، چستی ونشاط کی بحالی میں مدد ملتی ہو جائز ہیں بشرطیکہ وہ منکرات سے خالی ہوں۔ دینی یا دنیوی حقوق وفرائض سے غفلت یا کسی بھی جاندار کی اذیت کا باعث نہ ہوں۔

ب- عام حالات میں شریعت نے مرد وعورت کی ستر پوشی کے لیے جو اصول مقرر کیے ہیں، کھلاڑیوں کے لیے بھی ان کی پابندی ضروری ہے۔

ج- جن کھیلوں کے بارے میں احادیث میں ترغیب آئی ہے وہ مستحب ہیں، ان کے علاوہ مروجہ کھیلوں میں جو مذکورہ بالا اصول کے مطابق ہوں وہ جائز ہیں۔

د- کھیل کی ہار جیت میں پیسے کی شرط اگر یک طرفہ ہو یا کسی تیسرے فریق کی جانب سے ہو تو جائز ہے، اور اگر شرط جانبین سے ہو تو ناجائز ہے۔

ھ- وقت انسانی زندگی کا قیمتی سرمایہ ہے، لہٰذا ازروئے شرع کوئی بھی ایسا کھیل کراہت سے خالی نہیں ہوگا جو اپنے طریقے اور لباس کے اعتبار سے تو محرمات پر مشتمل نہ ہو لیکن اس میں کھیلنے یا دیکھنے والوں کا کافی وقت ضائع ہوتا ہو۔

و- جو کھیل جائز ہیں انہیں دیکھنے اور ان کے لیے ٹکٹ خریدنے کی گنجائش ہے۔

ز- جو لوگ کھیل میں شریک نہیں ہیں لیکن کسی فریق یا فرد کے جیتنے پر آپس میں پیسوں کی بازی لگائیں تو یہ بھی قمار میں داخل ہے اور حرام ہے۔

ح- کھیل کی ایک وقتی تفریح کی حد تک تو گنجائش ہے، مگر اس کو زندگی کا مقصد بنالینا جائز نہیں ہے۔

ط- تعلیم وکسب معاش کے جائز سرگرمیوں کو چھوڑ کر اپنے آپ کو کھیل کے لئے وقف کردینا مناسب نہیں ہے۔

آبی وسائل اور ان کے شرعی احکام:

پانی اللہ تعالیٰ کی بڑی اہم نعمت ہے، یہ انسان کی بنیادی ضرورتوں میں سے ہے، اس لئے اللہ تعالیٰ نے اس کے متعلق بہت سے احکام دیئے، لہٰذا اس کی قدر کی جائے اور اس کا لحاظ رکھتے ہوئے پانی میں اسراف کی ممانعت کردی گئی، اور اس کو آلودہ کرنے سے سختی سے منع کردیا گیا ہے، اور چونکہ سبھی کو اس کی ضرورت پڑتی ہے اس لئے اس میں کسی کی اجارہ داری تسلیم نہیں کی گئی، نہ ہی ایسی ذخیرہ اندوزی کرنے کی اجازت دی گئی جو کسی کی حق تلفی کا سبب ہے۔

۱- جن امور میں پانی استعمال کرنے کی اجازت ہے ان میں بلاضرورت یا ضرورت سے زیادہ استعمال کرنا اسراف ہے۔

۲- موقوفہ پانی میں اسراف کرنا حرام ہوگا اور اگر مملوکہ ومباح پانی ہے تو اس میں مکروہ ہوگا۔

۳- شریعت نے پانی کو صرف پاک رکھنے ہی کے احکام نہیں دیئے ہیں بلکہ پانی کو آلودگی سے بچانے کے لئے بھی شریعت نے متعدد احکام دیئے ہیں؛ لہٰذا یہ بھی ضروری ہے۔

۴- پانی کی قلت کے پیش نظر اگر حکومتیں مفاد عامہ کی خاطر پانی کے بعض استعمالات پر پابندی لگاتی ہیں تو یہ درست ہے اور اس پر عمل ضروری ہے بشرطیکہ یہ پابندی کسی شرعی یا طبعی ضرورت کو پورا کرنے میں رکاوٹ نہ ہو۔

۵- مملوکہ زمین کے نیچے پانی مباح الاصل ہے کسی کی ملک نہیں، بوقت ضرورت مصلحت عامہ کے پیش نظر حکومت بورنگ کرانے سے روک سکتی ہے۔

۶- پانی کی حفاظت اور اس کا ذخیرہ کرنا اصلاً حکومت کی ذمہ داری ہے تاہم افراد پر بھی اس کی ذمہ داری ڈالی جاسکتی ہے کہ زیر زمین پانی کی مناسب سطح باقی رکھنے کے لئے مناسب تدبیر اختیار کریں اور تعاون کریں۔

۷- بوقت ضرورت مفادہ عامہ کے پیش نظر ڈیم تعمیر کرنے کے لئے آبادی منتقل کی جاسکتی ہے بشرطیکہ فوری ایسا عادلانہ معاوضہ ادا کیا جائے جو لوگوں کے لئے تلافی مافات اور بازآبادکاری کے لئے کافی ہوسکے۔

۸- یہ ضروری ہے کہ سیلاب کے موقع سے بالائی اور نشیبی دونوں آبادیوں کے تحفظ کا خیال رکھا جائے اور حتی الامکان وہ صورت اختیار کی جائے جس میں کم سے کم نقصان ہو۔

۹- اپنی جائز ضرورتوں کو پورا کرنا بغیر دوسروں کو ضرر پہنچائے درست ہے۔

۱۰- نہروں سے استفادہ بقدر ضرورت جائز ہے بشرطیکہ اس سے نہروں اور دوسرے لوگوں کو نقصان نہ ہو۔

۱۱- وہ تمام صورتیں جن میں پانی کو کسی چھوٹے بڑے برتن یا چیز میں بالقصد محفوظ کرلیا جائے، ملکیت ثابت ہوجاتی ہے، البتہ پانی کو مملوک بنانے کے لئے ایسی شکل اختیار نہ کی جائے جس سے عوام الناس کو ضرر لاحق ہو۔

۱۲- پانی پر ملکیت حاصل ہونے والی تمام شکلوں میں پانی کی تجارت جائز ہے جبکہ مفاد عامہ متاثر نہ ہو، لہٰذا عوامی نلوں اور پانی کے ذخائر سے اپنے حق سے زیادہ لے کر اور دوسروں کو ان کے حق سے محروم کرکے اس پانی کو فروخت کرنا جائز نہیں ہے۔

۱۳- نشیبی علاقوں میں پلاٹنگ کرکے انہیں فروخت کرنا اور آبادیاں بسانا جب کہ ضرر عام لاحق ہو، درست نہیں ہے؛ خواہ حکومت کی طرف سے ممانعت ہو یا نہ ہو۔

۱۴- ہر شہری کو پانی کی فراہمی حکومت کی ذمہ داریوں میں سے ہے، وہ اس پر مناسب معاوضہ بھی لے سکتی ہے، اور معاوضہ پر قدرت رکھنے والوں سے اجرت نہ ادا کرنے کی صورت میں پانی روک لینے کا حق رکھتی ہے۔

۱۵- پانی کی نکاسی کا نظام بنانا اور شہریوں کی صحت کا خیال رکھنا حکومت کی ذمہ داری ہے اور عوام کا فریضہ ہے کہ وہ حکومت کے ایسے نظام و قوانین کا لحاظ رکھیں۔

✦ ✦ ✦